تاثرات

ہمارے ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کا مقصد کوئی تجارتی پبلشنگ ہاؤس قائم کرنا نہیں۔ اگر یہ مقصد پیش نظر ہوتا تو اب تک خدا جانے کتنے افسانوں، ڈراموں، فلمی اور جنسی کتابوں اور اسی قسم کی چلتی ہوئی چیزوں کے ڈھیر لگ چکے ہوتے اور مارکیٹ کا کوئی گوشہ ہماری مطبوعات کی مانگ کو پورا نہ کرسکتا۔ لیکن ہمارا مقصد جیسا کہ کئی بار واضح کیا جا چکا ہے کتب فروشی نہیں بلکہ کچھ عزائم اور اونچے مقاصد ہمارے پیچھے کار فرما ہیں۔ ہم اپنے شاندار ماضی، پیچیدہ حال اور روشن مستقبل تینوں کو سامنے رکھ کر ایسے نئے افکار و تصوّرات دے رہے ہیں جو نہ فقط شاندار ماضی کے تذکروں اور مستقبل کی تابناکیوں میں کھو کر رہ جائیں بلکہ ہمارے حال کی پیچیدہ گتھیوں کو سلجھانے میں خاطر خواہ امداد دیں اور ہمارے کلچر کے مُردہ عناصر کو چھانٹ کر اسے اس طرح سنواریں کہ اس کو ترقی پذیر زندگی کی نعمتوں سے ہم کنار کردیں۔

یہ مقاصد جتنے بلند ہیں اتنے ہی دشوار بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری مقبولیت کی رفتار بڑی دھیمی ہے۔ مگر بحمداللہ ٹھوس ہے۔ نہ فقط پاکستان اور بھارت میں بلکہ اب تو دور دور ہمارے افکار و تصورات مقبول ہوتے جا رہے ہیں۔ گزشتہ اشاعت میں ہم ادارہ کی دو کتابوں "افکارِ غزالی" اور "سرسید کے مذہبی افکار" کا ذکر کر چکے ہیں، کہ کس طرح یورپ میں اسے چشمِ قبول سے دیکھا گیا ہے۔ اس کے بعد ہی ہمارے ہاتھ میں اپریل ۵۹ء کا شمارۂ اسلامک ریویو (ووکنگ انگلینڈ) آیا ہے جس میں ہمارے ایک دوسرے رفیقِ ادارہ مولانا شاہ جعفر پھلواروی کا ایک مضمون انگریزی میں ترجمہ ہو کر بڑی آب و تاب سے شائع ہوا ہے۔ اس مضمون کا عنوان ہے:

MUSLIM SCHOLARS AND THE VISI-BILITY OF THE CRESCENT MOON.

یعنی "رویتِ ہلال اور علمائے کرام" یہ مضمون ادارے کی ایک کتاب "الدین یسر" میں موجود ہے اور یہاں کے بعض جرائد و رسائل میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ فلکی حساب سے روزہ و افطار اور دوسری اسلامی تقریبات منانے میں کوئی شرعی قباحت نہیں بلکہ اس میں یہ فائدہ ہے کہ ہر منطقے (ZONE) میں مسلمان اپنی متعینہ تاریخوں میں اپنی تقریبات منا سکیں گے اور یہ ہر سال کے چاند کے جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔

ادارے کی یہ کوئی ایک ہی پیش کش نہیں۔ آپ ہماری مطبوعات کا اگر مطالعہ کریں تو آپ کو نظر آئے گا کہ ایسی ایسی بیسیوں چیزیں ہم نے پیش کی ہیں جن پر اہلِ علم نے یا تو کبھی قلم اُٹھایا ہی نہیں یا بہت ہی کم ادھر توجہ مبذول کی ہے۔

ابھی حال میں جناب سید یعقوب شاہ صاحب اور مولانا شاہ جعفر ندوی کے مضامین "کمرشل انٹرسٹ" پر بھی شائع ہوئے ہیں۔ اس مسئلے پر اہل علم نے شاذ و نادر ہی توجہ دی ہے حالانکہ اس وقت ہماری زندگی میں یہ مسئلہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔

ہمارے ادارے کے کسی فرد کو معصوم عن الخطاء ہونے کی غلط فہمی کبھی نہیں ہوئی ہے۔ ہم سے غلطیاں بھی ہو سکتی ہیں لیکن ہم اپنے تصورات و افکار دیانت و اخلاص کے ساتھ پیش کرنے میں جھجک محسوس نہیں کرتے اور جو لوگ ہمارے خیالات کی تائید یا ہماری غلطی کی نشان دہی سنجیدگی اور نیک نیتی سے کرنا چاہیں ان کی علمی کاوشوں کے لئے ہمارے صفحات ہر وقت کشادہ ہیں۔ دُکھ صرف اس وقت ہوتا ہے جب بعض حلقے علمی گفتگو کرنے کی بجائے طنز و استہزا سے دلائل کا کام لینے لگتے ہیں اور تہذیب کا دامن چھوڑ دیتے ہیں۔ علمی انداز کی ہر تنقید کو ہم خوش ہو کر سننے کے عادی ہیں۔ اس سے تو علمی ترقیاں وابستہ ہیں۔ اس سے ہم ناراض کیوں ہوں گے؟

ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ "ثقافت" کے دو مضمونوں پر اچھے اور مہذب انداز میں تنقید کی گئی ہے۔ ایک مضمون خود ہمارا ہے جس کا عنوان ہے "مسئلہ اجتہاد کی وسعتیں"۔ اس پر "طلوعِ اسلام" نے ایک لمبی تنقید سپردِ قلم کی ہے۔ ہمیں اس کی

تنقید سے اتفاق نہیں اور ہم آیندہ اس کا جواب بھی گزارش کریں گے لیکن یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس تنقید میں "طلوعِ اسلام" نے تہذیب و متانت اور علمی استدلال کا دامن کسی جگہ بھی ہاتھ سے نہیں دیا ہے اور مخلصانہ و دوستانہ انداز کو کہیں فراموش نہیں کیا ہے۔

دوسرا مضمون مولانا شاہ جعفر ندوی کا ہے جس کا عنوان ہے "قرآن میں ذکرِ موسیقی"۔ اس پر ایشیا، رحیق، الارشاد اور صدقِ جدید نے تبصرے شائع کئے ہیں۔ مگر یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ صدقِ جدید کے مراسلہ نگار مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی کے سوا کسی نے علمی انداز نہیں اختیار کیا ہے۔ اگر انداز علمی و استدلالی ہو اور اس کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں خوبصورت طنز بھی آجائے تو اس سے ادب میں اضافہ ہوتا ہے۔ ہمیں اس سے کوئی صدمہ نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات لطف آتا ہے۔ لیکن اگر ساری تنقید ہی سراپا طنز و استہزا ہو تو اس سے اس لئے دُکھ نہیں ہوتا کہ ہم مطعون ہوتے ہیں بلکہ اس لئے اس سے صدمہ ہوتا ہے کہ خود ناقد کی وقعت علمی حلقوں میں کم ہو جاتی ہے۔ بہر حال زیر نظر شمارے میں ان تنقیدوں کے جواب کی ایک قسط حاضر ہے۔

یہاں ایک بڑی ضروری گزارش بھی سُن لیجئے۔ ادارے کی طرف سے "اسلام اور موسیقی" کی اشاعت سے شاید بعض لوگوں کو یہ خوش گمانی ہونے لگی ہے کہ ادارے میں قوالی یا رقص و سرود کی محفلیں جمتی ہوں گی۔ اس کتاب کے مصنّف کو موسیقی سے کچھ طبعی لگاؤ ہو تو ہو مگر ادارے کو ان محفلوں سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں۔ کتاب تو صرف اس لئے لکھی گئی تھی کہ ایک مسئلہ سامنے آجائے اور اس سے یہ اندازہ ہوسکے کہ زندگی میں بے شمار مسائل ایسے ہیں جن پر غلط فہمیوں کے تہ بہ تہ دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں اور حقیقت ان پردوں میں مستور ہوکر رہ گئی ہے۔ جب علمی تحقیق ہوگی اور کھرچ کر اندر سے تلاشِ حقیقت کی جائے گی تو بات کچھ اَور ہی نکلے گی۔ یہ صرف غنا و موسیقی کی بات نہیں بلکہ ؎

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

ایسے ایسے بے شمار فقہی مسائل ہیں جن کی جڑیں ہماری زندگی کی گہرائیوں میں گڑی

ہوئی ہیں اور احوال و ظروف کے عصری تقاضے اس کے متعلق ریسرچ کے لئے بے چین کر رہے ہیں۔ اگر ان جامد ڈھانچوں کو نئی اقدار و تحقیق کا جامہ نہ پہنایا گیا اور ان میں نئی قوت و روح نہ پھونکی گئی تو وہ رفتارِ زمانہ کی تیز و تند آندھیوں کا مقابلہ نہ کرسکیں گے اور وہ جسد بے روح جلد ہی ایک جھونکے میں زمین پر آرہے گا۔

اگر آپ ہماری ان کوششوں کو جرم سمجھتے ہوں تو آپ کو اختیار ہے لیکن ہم آپ سے یہ توقع ضرور رکھتے ہیں کہ آپ ہماری نیتوں پر حملہ کرنے اور وقفِ طنز و استہزاء ہونے کی بجائے علمی انداز سے گفتگو فرمائیں اور کم ازکم ان چیزوں سے تو اتفاق رائے کا اظہار کریں جن کو آپ کا دل بھی صحیح تسلیم کرتا ہو۔ اگر کسی کے پورے مضمون میں ایک لفظ کی املا غلط ہوجائے تو پورا مضمون بے کار نہیں ہوجاتا۔ اگر ہمارے کچھ نظریات و تصورات سے آپ کو اختلاف ہے تو کوئی چیز ایسی بھی نظر آتی ہے یا نہیں جسے آپ فی الواقع قابلِ قبول تصور کرتے ہوں؟

ہم ایک، گزارش اور بھی کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ہمارے مطبوعات کو بغیر پڑھے اور محض سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر تبصرے لکھ دینا کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ پچھلے دنوں کراچی کے ایک ماہنامے نے یہی کیا کہ ادارے کی ایک کتاب کا صرف نام سن کر بھڑک اٹھے اور پورے ادارے کے خلاف پروپیگنڈا شروع کردیا۔ ان کے تبصرے کے ایک ایک لفظ سے یہ مترشح ہو رہا تھا کہ انہوں نے اس کتاب کا ایک حرف بھی نہیں پڑھا ہے۔ ہم گزارش کریں گے کہ ایسے انداز سے اجتناب کیا جائے۔

محمد حنیف ندوی